نے مدونة میں اصلاحات کی ضرورت پر زور دیا۔ ان مطبوعات کا اہم موضوع قانون کی دفعات اور لوگوں کی زندگی کے درمیان بڑھتی ہوئی خلیج تھی۔ ان مصنفین میں سے چند ایک نے گھرانوں کی معاشی خوشحالی کے لئے خواتین خصوصاً شہری علاقوں کی عورتوں کی معاشی جدوجہد میں شرکت کی اہمیت اجاگر کی۔ پدرانہ خاندانی نظام جس میں خاوند نفقہ اور راہنمائی فراہم کرتا ہے جبکہ عورت اطاعت کرتی ہے اور نسب میں اضافہ کرتی ہے بطور ماڈل متروک ہو چکا تھا۔ مدونة میں مردوں کو جو قانونی برتری دی گئی تھی، اس میں مکمل اصلاح کی ضرورت تھی۔ کئی لبرل ناقدین خاندانی زندگی پر سماجی تحقیق کو اپنی اصلاحاتی جدوجہد کے لئے ایک اہم ہتھیار خیال کرتے تھے۔

۱۹۸۰ء کے عشرے کے اختتام تک، عورتوں کے حقوق کے لئے جدوجہد واضح طور پر انسانی حقوق کے لئے کی جانے والی کوششوں کا حصہ خیال کی جانے لگی۔ مراکشی حکومت انسانی حقوق کے موضوع کو بہت حساس گردانتی تھی۔ انسانی حقوق کی تنظیمیں حکومت کے سخت کنٹرول میں تھیں اور حکومت نے بھی انسانی حقوق کی صورتحال بہتر بنانے کیلئے اپنے ادارے قائم کر رکھے تھے۔ تاہم بیرونی ممالک کی طرف سے تنقید اور دباؤ سے علمی اور سیاسی فضاء میں آزاد خیالی کا دور دورہ ہوا۔ دانشور اور سیاستدان دوسری باتوں کے ساتھ ساتھ مدونہ میں اصلاحات کی ضرورت کے بارے میں اب زیادہ آزادی سے بات کر سکتے تھے۔

انتیس ستمبر ۱۹۹۲ء کو شاہ حسن دوم نے شاہی محل میں عورتوں کی تنظیموں کے نمائندوں کو بلایا۔ اپنی تقریر میں بادشاہ نے اعلان کیا کہ وہ اسلامی عائلی قانون کو سیاست چمکانے کیلئے استعمال کرنے کی اجازت نہیں دیں گے۔ اس سے قوم تقسیم ہو گی اور صورتحال قریبی ہمسایہ ملک الجیریا کی طرح ہو جائے گی۔ بادشاہ نے اس بات پر زور دیا کہ امیر المؤمنین کی حیثیت سے ان کا کام اور ذمہ داری ہے کہ وہ اجتہاد کو بروئے کار لاتے ہوئے اسلام کی معتبر تشریح اپنائیں۔ تیرہ اکتوبر ۱۹۹۲ء کو شاہ حسن دوم نے ۲۰ علماء اور ایک عورت (شاہی دربار کی نمائندہ) پر مشتمل ایک کمیشن تشکیل دیا تا کہ مدونة میں ترمیم کے لئے ایک مسودہ تیار کیا جا سکے۔

مارچ میں وزیر مذہبی امور الوی مدغری نے اعلان کیا کہ کمیشن نے اپنا کام مکمل کر لیا ہے۔ یکم مئی ۱۹۹۳ء کو ایک عوامی تعطیل کے موقع پر بادشاہ نے کمیشن کی طرف سے اصلاحات کا یہ تیار کیا گیا مسودہ حقوق خواتین کی تنظیموں کے نمائندوں کو پیش کیا۔ بادشاہ نے حقوق خواتین کی تنظیموں اور کمیشن کو اتفاق رائے تک پہنچنے کے لئے کہا۔ اگر وہ اتفاق رائے کے حصول میں ناکام ہوئے تو بادشاہ نے عندیہ دیا کہ وہ بذات خود مداخلت کرے گا۔ کمیشن کے علماء اور حقوق نسواں کی تنظیمیں اتفاق رائے تک پہنچ گئیں۔ آخر کار بادشاہ نے ۱۰ ستمبر ۱۹۹۳ء کو ایک شاہی حکم (ظاہر) کے ذریعے یہ قانونی اصلاحات مشتہر کر دیں۔ یہ اصلاحات نہ صرف مدونة میں کی گئی تھیں بلکہ کوڈ آف سول پروسیجر اور سول کوڈ میں بھی کی گئی تھیں۔ اصلاحات کا عمل مکمل ہو چکا تو

> عدالتی طلاق کے ضمن میں مالکی تعلیمات دیگر مکاتب فکر کی تعلیمات کی نسبت زیادہ لبرل ہیں ،لہٰذا مالکی تعلیمات کئی دیگر ممالک میں اسلامی عائلی قانون کی جدید تشکیل میں مشعل راہ ثابت ہوئی ہیں۔

الیکشنوں کی آمد کی وجہ سے آئین کے تقاضے کے مطابق پارلیمنٹ تحلیل کر دی گئی۔ اس صورتحال میں ۱۹۹۲ء کے آئین کے آرٹیکل نمبر ۱۰۱ کے مطابق قانون سازی کے تمام اختیارات بادشاہ کے پاس آ گئے۔ لہٰذا مدونة میں اصلاحات کا ملاً بادشاہ کی نگرانی میں ۱۹۵۷-۱۹۵۸ء کی طرح عوامی نمائندوں کی بحث وتمحیص کے بغیر ہوئیں۔

اصلاحات کے مشمولات محدود تھے۔ ۱۹۹۳ء کے بعد سے شادی صرف اسی صورت قرار پا سکتی تھی کہ جب عورت اپنی واضح رضامندی کا اظہار محکمہ عدول (نوٹری) کے رجسٹر شہادات میں دستخط کر کے کرے۔ اس شہادت کی موجودگی شادی انجام پانے کے لئے ضروری تھی۔ باپ کی طرف سے بیٹی کو شادی کے لئے مجبور کرنے (جبر یا اجبار) کا عمل یکسر ختم کر دیا گیا۔ اگر کوئی عورت قانون میں مقرر عمر (مدونة ۱۹۹۲ء میں اکیس سال) تک پہنچ جائے اور اس کا والد وفات پا چکا ہو تو اسے بذات خود ولی کی مدد کے بغیر شادی کرنے کا حق دیا گیا تھا (مدونة ۱۹۹۳ء)۔ نئی تدابیر کے ذریعے کثیر الازدواجی اور طلاق کے عمل کو زیادہ مشکل بنا دیا گیا تھا اور ایک آرٹیکل کے ذریعے مرد کی طرف سے طلاق کے وقت عورت کی موجودگی دو عادل گواہوں کے ساتھ لازم کر دی گئی تھی۔ طلاق کے ضمن میں مالی تصفیہ کے قواعد زیادہ سخت اور تفصیلی بنا دیئے گئے تھے۔ خاص طور پر طلاق یافتہ بیوی کے لئے نفقہ یعنی خاوند کی طرف سے متعة کے متعلق قواعد زیادہ سخت کر دیئے گئے۔

ان اصلاحات کے ذریعے مدونة کے آرٹیکل میں ایک ماں کو اپنے بچے/بچی کی قانونی ولی بننے کی اجازت بخش دی گئی۔ اصلاح شدہ مدونة میں خاوند سے نان نفقہ لینے کے بیوی کے حق اور خاوند کی طرف سے نفقہ دینے سے انکاری ہونے کے معاملے کو اب خاصے جامع انداز سے حل کیا گیا تھا۔ بچے کی نگہداشت کے بارے میں قواعد کو مدونة میں اصلاحات کے ذریعے واضح بنا دیا گیا تھا۔ بچے کی نگہداشت کا اختیار (حضانة) اس صورت میں باپ کو منتقل کر دیا گیا تھا کہ جب ماں بچوں کی نگہداشت کی اہل نہ ہو یا صلاحیت نہ رکھتی ہو۔ بچے کی نگہداشت (حضانة) کا دورانیہ فقہ کی مقرر کردہ روایتی حدود کی بجائے بچے کی عمر کو مدنظر رکھتے ہوئے واضح طور پر متعین کیا گیا۔ عائلی معاملات میں تصفیے کے لئے جج کو مدد دینے کی غرض سے ایک آرٹیکل کے ذریعے فیملی کونسل کا قیام کیا گیا۔

مدونة میں موجود اصلاحات میں عورتوں اور بچوں کی حالت میں بہتری کیلئے اقدامات کئے گئے۔ ان اصلاحات کا مقصد قدیم روایتی مالکی فقہ سے بنیادی تضاد پیدا کرنا نہیں تھا۔ عائلی قانون میں اصلاحات کرتے وقت بڑے اور اہم معاملات مثلاً شادی کے موقع پر ولی کی شرط کا خاتمہ، کثیر الازدواجی اور طلاق کے معاملات حقیقتاً صحیح طور پر حل نہیں کئے گئے۔ یہ روایات معمولی تبدیلیوں کے ساتھ برقرار رہیں۔

مدونة میں کی جانے والی ۱۹۹۳ء کی اصلاحات اس رجحان سے بالکل

مطابقت رکھتی تھیں جو ۱۹۵۸ء میں مدونہ کی تشکیل کے وقت کارفرما تھا۔ مردوں کے اکثر اختیار مؤقر مالکی فقہ کے تقدس، روایتی اقدار اور رواجوں کو مدنظر رکھتے ہوئے برقرار رکھے گئے تاکہ کسی قسم کی سماجی ابتری پیدا نہ ہو۔ اس تمام کے باوجود حکومت نے کمزوروں، عورتوں اور بچوں کو مردوں کی طرف سے اختیارات کے ناجائز استعمال کے خلاف تحفظ فراہم کرنے کیلئے مندرجہ ذیل تین اقدامات کے ذریعے کوشش کی:

۱- عورتوں اور بچوں کے فقہ میں بیان کردہ حقوق کو ضابطہ قانون میں سمویا گیا۔
۲- مردوں کو اختیارات کے غلط استعمال سے باز رکھنے کے لئے قانون میں مشکل قانونی ضابطہ عمل اختیار کیا اور اور مالی ذمہ داریاں مرد پر ڈال دی گئیں۔
۳- کنٹرول اور ثالثی کی ذمہ داری جج کو اور کچھ حد تک محکمہ عدول کو بخش دی گئی۔

ان اصلاحات کے بارے میں مراکشی اخبارات، کتابوں اور مضامین میں ردعمل سے ظاہر ہوا کہ اکثر جدت پسند گروہ مدونہ میں ان مجوزہ ترامیم سے مطمئن نہیں تھے۔ ان کا خیال تھا کہ اس قانون کو سماجی زندگی سے ہم آہنگ نہیں کیا گیا۔ لہذا جدت پسندوں نے اصلاحات کے لئے اپنی جدوجہد جاری رکھی۔ غریب لوگ اصلاحات کی اس نئی چارہ جوئی کو غیر موزوں اور گراں خیال کرتے تھے۔ قانون میں موجود نئے مطالبوں نے شادی کی انجام دہی میں نئی رکاوٹیں شادی کرنے کی عمر میں اضافہ کر کے کھڑی کر دیں۔ ان نئے قوانین سے ان مردوں کی تعداد میں خاطر خواہ اضافہ ہوا جو 'مناسب' طور پر اپنی بیویوں کو طلاق دینے کی بجائے اپنے خاندان کو چھوڑ کر منظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔

بادشاہ حسن دوم نے ۱۹۹۳ء میں مدونہ میں اصلاحات کے لئے اپنی رضامندی کا اظہار کر کے واضح اشارہ دیا کہ وہ قدامت پسندوں اور اسلامی جماعتوں کے ساتھ کشمکش اور محاذ آرائی نہیں چاہتا۔ ایک طرف تو یہ نئے قواعد قدیم مالکی فقہ سے قریب تھے، دوسری طرف یہ اصلاحات جدید نظریات وتصورات کے بارے میں فراخ ذہنی کی عکاس تھیں۔ بادشاہ کو اپنی حکمرانی کے لئے اسلامی جواز فراہم کرنے کی کوشش میں عائلی قانون نے اہم کردار ادا کیا۔ بادشاہ کو روایت اور جدت پسندی، اسلامی بنیاد پرستی اور مغربی طرز کے لبرلزم کے درمیان توازن قائم کرنے جیسی مشکل صورتحال کا سامنا تھا۔ بظاہر تمام گروہوں کو مطمئن کرنے کا کوئی راستہ نہ تھا اور حقیقی تبدیلی برقرار حالات کے لئے خطرناک ثابت ہو سکتی تھی۔ اجتہاد کرنے کے حق کے خود ساختہ اختیار کے ذریعے بادشاہ کو عائلی قانون کے مندرجات کا فیصلہ کرنا تھا۔ جدت پسندوں، حقوق نسواں کی تنظیموں، اسلامی جماعتوں اور علماء سب کو بادشاہ کی بات پر کان دھرنا تھا۔ ان سب گروہوں کی درخواستوں اور آراء کی طرف توجہ شاہی عنایت کا اظہار تھی۔ تاہم عوامی مہمات، مباحثے اور مختلف گروہوں کے درمیان پائی جانے والی آویزش اس بات کی علامت تھی کہ مراکشی معاشرے میں موجود بعض گروہ اس شاہانہ طرز حکمرانی کے ساتھ مقابلے کے لئے تیار ہیں۔

اصلاحات کے لئے ۱۹۹۹ء کی تجویز

مراکش میں سوشلسٹ پارٹی نے مارچ ۱۹۹۸ء میں عبدالرحمن یوسفی کی قیادت میں عنان حکومت سنبھالی۔ شاہ حسن دوم کی وفات کے بعد سابق برگشتہ اور جلاوطن یوسفی نے راز افشاء کیا کہ انہوں نے شاہ حسن دوم کے ساتھ ایک نجی ملاقات میں قرآن پر حلف اٹھایا تھا کہ وہ شاہ کے ساتھ مل کر وفادارانہ انداز سے حکومت چلانے میں تعاون کریں گے۔ یہ نئے حکمران وعدوں اور عوام کی خدمت کے منصوبوں سے لیس تھے اور لوگوں کی ان سے بہت زیادہ توقعات وابستہ تھیں۔ حکومت سنبھالنے کے نو ماہ بعد ۱۹/ مارچ ۱۹۹۹ء کو حکومت نے مراکشی معاشرے میں عورتوں کے وقار کی بہتری کیلئے ایک تجویز پیش کی۔ حکومت کا ارادہ عورتوں کو معاشرے میں زیادہ بھرپور انداز سے ضم کرنا اور انہیں ملکی ترقی میں معاون بننے اور حصہ ڈالنے کے قابل بنانا تھا۔ اس منصوبے کے مصنفین نے اپنے ان منصوبوں کو اقوام متحدہ کی قراردادوں خاص طور پر بیجنگ میں ۱۹۹۵ء میں منعقدہ عورتوں کی کانفرنس میں منظور قرارداد سے منسلک کیا۔

اس منصوبے میں چار ترجیحات پیش کی گئی تھیں۔
۱- خواندگی، غیر رسمی تعلیم، مساوات پیدا کرنے کے لئے تعلیم
۲- تولیدی صحت
۳- معاشی ترقی میں عورتوں کو شامل کرنا۔
۴- خواتین کو بااختیار بنانے کے لئے انہیں تقویت فراہم کرنا۔

اس آخری ترجیح کا براہ راست تعلق قانون سے تھا۔ اس منصوبے کے مصنفین تعزیری قانون (عورتوں کے خلاف تشدد کا خاتمہ کرنے کیلئے) اور ضابطہ شہریت (مراکشی ماؤں اور غیر ملکی والد سے پیدا ہونے والے بچوں کو مراکشی شہریت سے نوازنے کیلئے) کے حوالے سے عائلی قانون میں خاص طور پر اصلاحات کرنا چاہتے تھے۔

پراجیکٹ پلان ۱۹۹۹ء میں حسب ذیل تجاویز پیش کی گئیں:

لڑکیوں کی شادی کے لئے کم سے کم عمر

اقوام متحدہ کے میثاق برائے حقوق اطفال کی مطابقت میں، جس پر مراکش نے ۱۹۹۳ء میں دستخط کئے تھے، لڑکیوں کے لئے شادی کی عمر ۱۵ سے ۱۸ سال کرنے کی تجویز پیش کی گئی جبکہ موجودہ مدونہ کے آرٹیکل ۸ میں لڑکیوں کی شادی کی عمر ۱۵ سال اور لڑکوں کے لئے ۱۸ سال مقرر تھی۔

شادی میں ولی کی شرط

اس منصوبے میں شادی کے موقع پر ولی کی شرط ایسی تمام عورتوں کے لئے اختیاری کرنے کی تجویز دی گئی جو اپنی قانونی بلوغت کی عمر کو پہنچ جائیں (جو کہ مدونہ ۱۹۹۲ء میں ۲۱ سال مقرر کی گئی تھی)۔

طلاق

مروجہ طریقہ طلاق کو عدالتی طلاق سے بدلنے کی تجویز پیش کی گئی کیونکہ اس میں عورتوں اور مردوں کو یکساں رسائی حاصل ہو جاتی ہے۔

تعدد ازواج

منصوبے میں کثیر الازدواجی کو مکمل طور پر ختم کرنے کی تجویز دی گئی۔ اس سلسلے میں یہ تجویز دی گئی کہ ایک مرد صرف اسی صورت میں دوسری شادی کر سکتا ہے کہ جب پہلی بیوی اس کے لئے رضامند ہو اور خاوند کو اس کے لئے جج سے بھی اجازت لینے کا پابند کرنے کی تجویز شامل کی گئی۔

حضانۃ

اس پراجیکٹ پلان میں تجویز پیش کی گئی کہ شادی کے انفساخ کے بعد ماں کو اپنے بیٹے اور بیٹیوں کی پندرہ سال کی عمر تک نگہداشت (حضانۃ) کرنے کی اجازت دی جائے جبکہ مدونۃ ۱۹۹۳ء کے آرٹیکل نمبر ۱۰۲ کے مطابق لڑکے بارہ سال کی عمر تک پہنچنے کے بعد اپنی ماں یا باپ یا کسی اور رشتے دار کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کر سکتے ہیں، جبکہ لڑکیوں کو یہ حق ۱۵ سال کی عمر میں حاصل ہوگا۔

بچوں کی نگہداشت اور دوسری شادی

وہ ماں جس کے پاس بچوں کی نگہداشت یعنی حضانۃ کی ذمہ داری بھی ہو، مدونۃ کے آرٹیکل ۱۰۵ کی رو سے دوسری شادی کرنے کے لئے اہل نہ تھی۔ اس نئے منصوبے میں تجویز پیش کی گئی کہ اگر وہ نئے سرے سے اپنا گھر بسائے تو ایسی صورت میں بھی اس سے بچوں کی نگہداشت یعنی حضانۃ واپس نہ لیا جائے اور اگر وہ عورت اس جگہ سے دور نقل مکانی کر جائے جہاں بچوں کا باپ رہتا ہے، خواہ اس عمل کی وجہ سے باپ کے بچوں کو ملنے کے حق میں مشکل پیش آئے، تجویز پیش کی گئی کہ ایسی صورت میں بھی ماں سے حضانۃ کا حق واپس نہ لیا جائے۔ طلاق کے بعد بچوں کو وہ گھر نفقہ کی صورت میں دیا جائے جس میں والدین کی شادی ہوئی ہو۔ جس گھر میں شادی کی رسم انجام پائی تھی طلاق کے بعد وہ گھر بچوں کی فلاح کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ ماں عام انداز سے اسی گھر میں قیام پذیر رہے گی جبکہ وہ بچوں کی نگہداشت کی ذمہ داری اٹھا رہی ہو۔ مدونۃ کے آرٹیکل ۱۲۷ میں رہائش (سکنۃ) کا عمومی مفہوم بچوں کے لئے نان نفقے کے جزو کے طور پر بیان کیا گیا ہے۔ طلاق سے پہلے اور بعد میں بچوں کا نفقہ باپ کی ذمہ داری ہے، چاہے طلاق کے بعد ماں ان کی نگہداشت کر رہی ہو یا نہ کر رہی ہو۔

نابالغ بچوں کی قانونی سرپرستی

مدونۃ کے آرٹیکل ۱۴۸ میں ماں کو باپ کی وفات یا معذوری کی صورت میں بچوں کی قانونی سرپرست مقرر کیا گیا ہے۔ بالکل اسی طرح اس پراجیکٹ پلان میں باپ کے منظر سے غائب ہونے کی صورت میں بھی ماں کو قانونی سرپرست مقرر کرنے کی تجویز پیش کی گئی۔

طلاق کے بعد جائیداد کی تقسیم

پراجیکٹ پلان میں تجویز پیش کی گئی کہ شادی کا انفساخ کرنے والے جج کو شادی کے عرصہ کے دوران بنائی گئی جائیداد کی تقسیم کے لئے بھی فیصلہ صادر کرنا چاہیے۔ شادی کے عرصہ میں بنائی گئی جائیداد کا نصف بیوی کو دینا چاہیے کیونکہ وہ اس دوران وہ شادی شدہ خاندان کا حصہ تھی اور اس نے خاوند کے ساتھ تعاون کیا، چاہے اس دوران وہ گھر کا کام ہی کرتی رہی ہو یا گھر سے باہر کام کر کے تنخواہ حاصل کرتی رہی ہو۔ یہ تجویز اس قدیم نظریے سے یکسر مختلف ہے کہ شادی کی بنیاد پر جائیداد میں میاں بیوی مشترکہ ملکیت نہیں رکھتے، اگرچہ مدونۃ اس بنیادی قاعدے کو واضح طور پر بیان نہیں کرتا مگر آرٹیکل ۳۵ سے یہ نتیجہ اخذ کیا جاتا ہے۔ آرٹیکل ۳۵ کے مندرجات کے مطابق خاوند کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ اپنی بیوی پر پابندی لگائے کہ وہ اپنی جائیداد فروخت نہیں کر سکتی۔

عائلی عدالتوں کا قیام

تجویز پیش کی گئی کہ مقدمات کا تصفیہ مختصر عدالتی کارروائی، ججوں کی کثرت اور عائلی معاملات کے ماہرین مثلاً ماہرین نفسیات اور سماجی کارکنوں کی مدد سے کیا جائے۔ عائلی معاملات میں عورتوں کو جج کے طور پر خدمات سرانجام دینے کا حق دیا جائے۔ عائلی معاملات اور بین الاقوامی قوانین کے ماہر ججوں کو عورتوں کے حقوق کی تربیت دی جائے۔ معاون قانون اشخاص مثلاً سماجی کارکنوں اور نفسیات دانوں کو عائلی معاملات کی تربیت فراہم کی جائے۔ سپریم کورٹ کے اہم فیصلوں کی نشر و

> مردوں کو اختیارات کے غلط استعمال سے باز رکھنے کے لئے قانون میں مشکل قانونی ضابطہ عمل اختیار کیا گیا اور مالی ذمہ داریاں مرد پر ڈال دی گئیں۔

اشاعت کی جائے اور وہ فیصلے جو عائلی قوانین میں اہم تبدیلیوں کا باعث بنیں انہیں اخبارات، ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کیا جائے۔

اس منصوبے میں بچوں کی پیدائش کی رجسٹریشن سے متعلق بھی چند اصلاحات تجویز کی گئیں۔ اس منصوبے میں تجویز پیش کی گئی کہ ماں کو بھی اس کتابچے کی نقل فراہم کی جائے جس میں بچوں کی پیدائش اور اموات کی رجسٹریشن ہوتی ہے اور اس میں اس کے خاوند سے پیدا شدہ بچوں کا ریکارڈ ہوتا ہے آج کل یہ کتابچہ صرف مرد ہی پیدائش و اموات کی رجسٹریشن کے محکمے سے حاصل کر سکتا ہے۔ اس کتابچے میں بیوی کا نام محض اس کے بچوں کی ماں کے طور پر درج ہوتا ہے۔ باپ اس کتابچے کا مالک ہوتا ہے جو اسے ہمیشہ اپنے پاس رکھتا ہے، چاہے اس کی جتنی بھی شادیاں ہوں۔ انتظامی قواعد واضح طور پر نسب باپ کی طرف منسوب ہونے کی قانونی اہمیت پر مصر ہیں۔ پراجیکٹ پلان ۱۹۹۹ء میں تجویز پیش کی گئی کہ طلاق کے بعد سابقہ بیوی کو خاوند

کی طرف سے اختیارات کے غلط استعمال سے محفوظ رکھنے اور مختلف انتظامی طریقہ کاروں میں سہولت پیدا کرنے کے لئے حکومت عورت کو اس کتابچے کی ایک نقل فراہم کرے۔ اس کے علاوہ تجویز پیش کی گئی کہ طلاق یافتہ والدین کے بچوں کو نفقے کی ادائیگی یقینی بنانے کے لئے وزارت مالیات ایک فنڈ قائم کرے۔ اس چارہ جوئی سے وہ مسائل حل ہو جائیں گے جو نفقہ کے حصول کے لئے عدالتوں میں کئے گئے استغاثوں کا فیصلہ ہونے میں تاخیر سے پیدا ہوتے ہیں۔ عائلی قانون سے متعلق تمام استغاثے ٹیکسوں سے مستثنیٰ کرنے کی تجویز بھی پیش کی گئی۔

اس منصوبے میں پیش کی گئی مجوزہ اصلاحات مالکی فقہ کی قدیم ہدایات وتجاویز سے کافی حد تک مختلف ہیں۔ عورتوں کے لئے شادی کرنے کی کم از کم عمر کو اٹھارہ سال کرنے کی تجویز، ان تمام عورتوں کے لئے جو قانونی بلوغت تک پہنچ جائیں، ولی کی شرط کا خاتمہ، یکطرفہ طلاق کو ممنوع قرار دینے اور اس کی بجائے عدالتی طلاق کی تجویز، کثیر الازدواجی کا کم و بیش مکمل امتناع، ماں کو جسے بچوں کی نگہداشت سونپی گئی ہو نگہداشت کے حق سے محروم کئے بغیر دوسری شادی کی اجازت دینا، طلاق کے بعد شادی کے عرصہ کے دوران بنائی گئی جائیداد کی میاں بیوی میں برابر تقسیم، یہ سب تبدیلیاں جو منصوبے میں تجویز کے طور پر پیش کی گئیں واضح طور پر قدیم مالکی مکتب فکر کے برخلاف تھیں۔ اس اصلاحاتی منصوبے کو اسلامی جواز فراہم کرنے کے لئے کہا گیا کہ اجتہاد کرتے ہوئے ایسا کیا گیا ہے۔ اس سلسلے میں دوسرا جواز یہ پیش کیا گیا کہ مجوزہ اصلاحات دیگر مسلمان ملکوں میں ایسی ہی اصلاحات سے متاثر ہو کر، سماجی انصاف کے نظریات کے مطابق اور اقوام متحدہ کے معاہدوں اور کانفرنسوں کی قراردادوں کے مطابق تجویز کی گئی ہیں۔ تاہم اس اصلاحاتی منصوبے میں استعمال اصطلاحات اور تصورات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اصلاحات کرنے والوں نے اپنے کام کو خاندان کے ادارے سے متعلق اسلامی بحث کے اندر رکھنے کی کوشش کی ہے۔

عائلی قانون اور عوامی ردِعمل

حکومت میں شامل بائیں بازو کی دو سوشلسٹ پارٹیوں نے اوائل ہی سے اصلاحات کی تجویز کی حمایت کی، جبکہ حکومت میں شامل ایک اہم پارٹی نے اس بارے میں محتاط اور مبہم رویہ اختیار کیا۔ مذہبی معاملات میں یہ پارٹی بہت قدامت پسند خیالات کی حامل ہے اور اپنے سابق رہنما علال الفاسی (مدونہ ۱۹۵۸ء کے مصنفین میں سے ایک) کی طرح سلفیہ عقائد پر کاربند ہے۔

بعض علماء کی مخالفت

عائلی قانون میں اصلاحات کے منصوبے پراجیکٹ پلان کے مخالفین میں وزیر مذہبی امور عبدالکبیر الوعی مدغری بھی شامل ہیں۔ وزیر مذہبی امور نے علماء پر مشتمل ایک کمیشن کو عائلی قانون سے متعلق مجوزہ اصلاحات کے بارے میں ایک رپورٹ تیار کرنے کے لئے کہا۔ ان علماء کا موقف تھا کہ صرف علماء ہی اسلامی قانون کی تعبیر کرنے کا استحقاق رکھتے ہیں۔ ان کا کہنا تھا کہ دیگر ماہرین مثلاً جج، وکلاء، طبیب اور ماہرین نفسیات زیادہ سے زیادہ بحث مباحثے کے لئے علماء کو مواد پیش کر سکتے ہیں۔ علماء نے اپنی رپورٹ میں کہا کہ اصلاحاتی منصوبہ ملک کو سیکولر بنانے کا اقدام ہے اور اس کا مقصد مغربی اقدار کی تقلید ہے، جس کا مطلب مغربی زوال پذیر معاشروں کے مسائل کو درآمد کرنا ہے۔ مراکش میں عائلی قانون سے متعلق حقیقی مسائل عوام الناس میں جہالت اور اخلاقی انحطاط کی وجہ سے ہیں۔ ان مسائل کا حل چند سادہ تدابیر کی مدد سے شریعہ کے مطابق ڈھونڈا جا سکتا ہے۔ یہ فاضل علماء اپنی رپورٹ میں پراجیکٹ پلان کے اندر ترتیب دی گئی مجوزہ اصلاحات میں سے کسی اصلاح کے ساتھ متفق نہ ہوئے۔ ان اصلاحات کا جائزہ لینے کے سلسلے میں انہوں نے اپنے دلائل کی بنیاد قدیم اسلامی فقہ میں ذکر کئے گئے صنفی تعلقات کے موضوع پر پائی جانے والی تفصیلات پر رکھی۔

علماء کمیشن کی اس رپورٹ کو اصلاحات پسندوں نے سخت تنقید کا نشانہ بنایا اور کہا کہ یہ رپورٹ وزیر مذہبی امور کے خیالات کی مظہر ہے۔ وزیر مذہبی امور الوعی مدغری نے اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ حکومت نے ابتدائی مرحلے پر ہی علماء سے استفادہ نہ کر کے ایک بڑی غلطی کا ارتکاب کیا ہے۔ علماء اجتہاد اور شریعہ کے معاملات میں اہلیت رکھتے ہیں۔ مدغری نے اصلاحاتی پراجیکٹ پلان پر سخت تنقید کی۔ اسلام کے اصولوں کے مطابق خواتین کے حقوق کا تحفظ کرنے کے لئے اصلاحاتی منصوبے میں، ان کے مطابق، سنجیدہ نوعیت کی ترامیم کی ضرورت تھی۔ جناب مدغری نے خواتین کی تنظیموں سے اپیل کی کہ وہ اپنی حقیقی شناخت یعنی اسلام کی طرف لوٹیں اور قبیح مغربی خیالات کو چھوڑ دیں۔

وزیر مذہبی امور، الوعی مدغری ۷/ جولائی ۱۹۹۹ء نے ٹیلی ویژن پر اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ انہوں نے شادی کے مسئلے سے متعلق معاہداتی طریق اپنانے پر زور دیا۔ انہوں نے فرمایا کہ شادی کا معاہدہ کرتے وقت میاں بیوی معاہدے میں طلاق، کثیر الازدواجی اور جائیداد پر باہمی حق کے بارے میں شرائط شامل کر سکتے ہیں۔ انہوں نے اپنی حال ہی میں طبع شدہ کتاب ''المرأة بين احكام الفقه والدعوة الى التغير'' [فقہی احکام اور تغیر کی دعوت کے مابین کش مکش اور خواتین] کا حوالہ دیتے ہوئے فرمایا کہ اس کتاب میں انہوں نے عورت سے متعلق انصاف کے اصولوں پر مبنی ''فصیح و بلیغ' نظریہ پیش کیا ہے، نقاب کے بارے میں ان کے خیالات نرم ہیں، مگر وہ نائٹ کلبوں جیسی جگہوں پر عورتوں کے کام کرنے کے مخالف ہیں۔ مراکش کی رابطہ علماء نے ان اصلاحات ۲۷ مئی ۱۹۹۹ء کو خاندان اور سماجی نظم وضبط کے خلاف ایک خطرہ قرار دیتے ہوئے کہا کہ یہ مجوزہ اصلاحات عصمت فروشی کا باعث بنیں گی۔ علماء اس بات پر غضبناک تھے کہ حکومت نے ان سے اس اصلاحاتی منصوبے کے بارے میں مشورہ طلب نہیں کیا۔ لبرل سیاستدانوں اور صحافیوں نے وزیر الوعی مدغری اور قدامت پسند علماء کے بیانات پر سخت ردعمل کا اظہار کیا۔ انہوں نے زور دیتے ہوئے کہا کہ اسلام میں کلیسائی نظام نہیں ہے اور کسی ایک گروہ کو مقدس نصوص کی تعبیر کرنے کا مخصوص حق حاصل نہیں، بلکہ اسلام کو ماننے والے تمام لوگ اجتہاد کر سکتے ہیں۔ خدا اور بندے کے درمیان واسطے کا کردار ادا کرنے والے لوگ

کے آرٹیکل ۴۱۸ کو منسوخ کرنے کا مطالبہ کیا جس میں ایسے خاوند کی سزا معاف ہونے کا امکان موجود تھا، جو اپنی بیوی کو زنا کا ارتکاب کرتے ہوئے دیکھ کر حملہ کرے، مارے یا ہلاک کرے۔ انہوں نے آرٹیکل ۴۹۴ کو بھی عورتوں کے لئے اہانت آمیز قرار دیا۔ اس آرٹیکل کے مندرجات کی رو سے ایسے شخص کے خلاف قانونی چارہ جوئی عمل میں لائی جاسکتی ہے جو کسی شادی شدہ عورت کو فرار ہونے میں مدد کرے یا اغوا کرے جبکہ ایسی عورت کو کسی شخص (مثلاً اس کے خاوند) نے کسی جگہ قید یا حبس بے جا میں رکھا ہو۔ حقوق نسواں کی ان تنظیموں نے اپنی یادداشت میں اقوام متحدہ کے ''عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمے کے میثاق'' کی اشاعت کا بھی مطالبہ کیا۔ مراکش نے جون ۱۹۹۳ء میں اس معاہدے پر دستخط کئے تھے مگر اسے کبھی الجریدة الرسمية یعنی سرکاری گزٹ میں شائع نہیں کیا۔ مراکشی حکومت نے بہت سے دیگر مسلمان ممالک کی طرح اقوام متحدہ کے اس میثاق پر بعض تحفظات کا اظہار کیا تھا۔ یہ تحفظات خاص طور پر مدونہ کو متاثر کرتے تھے۔ مراکشی حکومت نے اعلان کیا تھا کہ وہ اقوام متحدہ کے اس میثاق کے نفاذ کے لئے راضی ہے بشرطیکہ یہ شریعت کے منافی نہ ہو۔ حکومت نے اس بات کا اظہار کیا کہ پرسنل سٹیٹس کوڈ میں

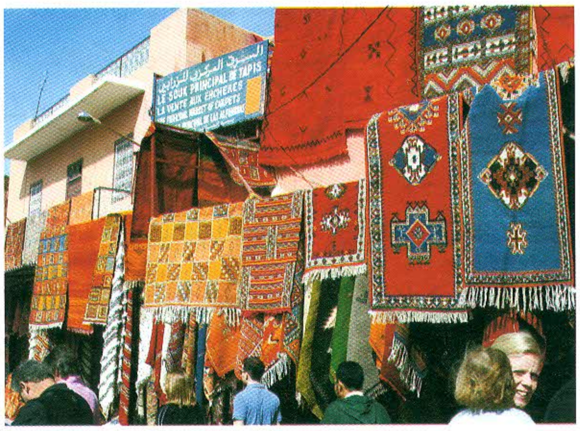

ایسے قواعد موجود ہیں جو اقوام متحدہ کے اس مذکورہ میثاق سے ہم آہنگ نہیں ہیں۔ حکومت نے اعلان کیا کہ اس میثاق کا آرٹیکل نمبر ۱۵ دفعہ ۴ مراکش میں نافذ العمل نہیں ہوگا کیونکہ یہ مدونہ کے آرٹیکل ۳۴ اور ۳۶ کے مندرجات کے منافی ہے کیونکہ میثاق کے آرٹیکل ۱۵ کے نفاذ سے خاوند کی اطاعت اور اس کے ساتھ رہنے کی عورت کی ذمہ داری جیسے معاملات متاثر ہونے کا اندیشہ ہے۔ اقوام متحدہ کے اس میثاق کے آرٹیکل ۱۶ پر تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے حکومت نے مرد کے یک طرفہ طلاق دینے کے استحقاق کا دفاع کیا کیونکہ مرد اپنی بیوی کی وہ تمام مالی ذمہ داریاں اٹھاتا ہے جن کا اس نے شادی کے موقع پر اقرار کیا ہوتا ہے۔ مرد کے اوپر ان مالی ذمہ داریوں کی وجہ سے شریعت عورت کو طلاق کا حق صرف اس وقت دیتی ہے جب وہ کسی جج کے پاس اس کے لئے درخواست یا استغاثہ درج کرائے۔ اس طرح مراکشی حکومت نے ایک بار پھر اپنے عائلی قانون کی پدرانہ نوعیت کا دفاع شرعی اصولوں کے بل بوتے پر کیا۔ ۱۹۹۷ء میں عورتوں کے خلاف تمام اقسام کے امتیازات کے خاتمے کے لئے اقوام متحدہ کے میثاق کے جائزے کے لئے بنائی گئی نگران کمیٹی کے ماہرین نے اقوام متحدہ میں مراکشی نمائندے احمد سنوسی سے ان تحفظات کے بارے میں سوالات اٹھائے جنہیں وہ اقوام متحدہ کے میثاق کی روح کے خلاف سمجھتے تھے۔ حکومتی مؤقف کے دفاع میں نمائندے نے اسلام، اخلاقیات، ثقافت اور اسلامیوں کے ردعمل کا حوالہ دیا۔ اس نگران کمیٹی نے مراکشی حکومت سے اسلامی قانون کی زیادہ آزاد اور کھلی تعبیر کی تشکیل کے لئے معیار قائم کرنے کا مطالبہ کیا۔ مراکشی حقوق نسواں کی تنظیمیں ۲۰۰۰ء کے آخر میں انسانی حقوق اور مراکشی آئین کا حوالہ دیتے ہوئے کوششیں کر رہی تھیں کہ حکومت عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کے لئے اقوام متحدہ کے میثاق کے بارے میں تحفظات کا اظہار نہ کرے۔

بادشاہ کی مداخلت

۲۷ اپریل ۲۰۰۰ء بروز جمعہ بادشاہ نے مدونہ میں اصلاحات کے لئے کافی عرصے سے مطلوب مشاورتی کمیشن تشکیل دے دیا۔ عورتوں کی تنظیموں کے نمائندگان کو اس تقریب میں مدعو کیا گیا تھا۔ یہ کمیشن تیرہ ارکان پر مشتمل تھا، ان ارکان میں سے تین عورتیں تھیں۔ تیرہ مرد اراکین میں سے اکثریت 'علماء' تھے اور کچھ جدید قانون کے ماہرین تھے، پانچ ارکان عدالتوں سے تھے۔ سپریم کورٹ کے اول صدر، درس دہاک کو چیئرمین مقرر کیا گیا۔ احمد خملیشی، ترقی پسند عالم اور قانونی ماہر اور اعلیٰ اسلامی تعلیم کے لئے ایک حکومتی ادارے کے ڈائریکٹر کو بھی اس کمیشن کا رکن منتخب کیا گیا۔

شاہ محمد ششم نے جس تقریر میں کمیشن کے قیام کا اعلان کیا اس میں انہوں نے اپنے آپ کو امیرالمومنین کہا۔ انہوں نے فرمایا کہ اصلاحات شریعہ کے مطابق ہونی چاہئیں اور انہوں نے پہلے سے موجود مدونہ کے متن کے ساتھ تسلسل کی اہمیت اجاگر کی۔ انہوں نے کہا کہ نئے کمیشن کو ۱۹۹۳ء کی اصلاحات کو حقیقی طور پر مؤثر بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ روایت کی تکریم اور خاندان کی مقدس اقدار کے ذکر کے ساتھ بادشاہ نے انسانی حقوق کا بھی ذکر کیا۔ انہوں نے کمیشن کے ارکان کو اجتہاد بروئے کار لانے کو کہا۔ انہوں نے کمیشن کے ارکان سے عوامی مفاد ملحوظ رکھنے اور اتفاق رائے پیدا کرنے اور میانہ روی کیلئے کہا۔ پہلے اشارے مثبت تھے۔ سرکاری تبصرہ نگاروں نے متوازن ماہرین، موزوں علماء، جدید قانون کے ماہرین اور سائنسدانوں کے چناؤ پر زور دیا۔ جدت پسندوں نے بادشاہ کی صلاحیت کی تعریف کی۔ ان جدت پسندوں نے وزیر الوعی مدغری کی کمیشن میں غیر نامزدگی اور عالم خملیشی کی نامزدگی کو اچھا شگون قرار دیا۔

تشویش میں اضافہ

کمیشن کے قیام کے بعد بھی جدت پسندوں، قدامت پسندوں اور اسلامی گروپوں کے درمیان کشمکش جاری رہی۔ مدونہ میں اصلاحات کے لئے کمیشن کی طرف سے بنائی گئی کمیٹی جون ۲۰۰۱ء سے عوامی نمائندوں سے ملاقاتوں اور مواد جمع کرنے میں مصروف رہی۔ اس کمیٹی نے سیاسی پارٹیوں اور عورتوں کی تنظیموں کے نمائندوں سے ملاقاتیں کیں۔ تاہم عورتوں کے حقوق کی سرگرم ارکان نے کمیشن کی کارروائی کی سست روی اور معلومات کے فقدان کی شکایات کیں۔ صحافی اور عورتوں کے حقوق کی تنظیمیں سوال کرنے لگیں کہ آیا کمیشن قانون میں تبدیلی کی خاطر بنایا گیا تھا

اور اگلی شادی کی صورت میں عورت کے پاس بچوں کی نگہداشت کے حق کی حامی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ حکومت کو ہر طلاق یافتہ عورت یا بیوہ کو پنشن دینی چاہیے خواہ اس عورت کے سابقہ شوہر کے مالی حالات اچھے ہی کیوں نہ ہوں۔

اسلامی قدامت پسند اور حکومتی دانائی

کاسابلانکا میں مظاہرے کے بعد اگلے ماہ، جماعت العدل والاحسان کے علماء نے عوامی حلقوں میں اپنے آپ کو زیادہ نمایاں کرنا شروع کر دیا۔ اس جماعت کے اراکین نے خواندگی کی مہمات میں اہم کردار ادا کرنے کی کوشش کی۔ یہ قدم نوجوان بادشاہ نے غربت کے خلاف اپنی جدوجہد کے سلسلے میں اٹھایا اور اس میں وہ مسجدوں کو بھی مصروف کرنا چاہتا تھا۔ شیخ یاسین کے پیروکار، لوگوں کو پڑھنا اور لکھنا سکھانے کے دوران اپنے نظریات کا پرچار کر رہے تھے۔ بلاشبہ حکومت نے اس مہم پر قابو پانے کی کوشش کی۔ سال ۲۰۰۰ء کے موسم گرما کے دوران شیخ یاسین کے بہت سارے پیروکار ساحلوں پر جمع ہوئے۔ اسلامی لباس پہن کر یہ لوگ سن باتھ لینے والے لوگوں کے سامنے نماز کیلئے کھڑے ہو گئے۔ انہوں نے عام لوگوں کو کھیلنے اور سن باتھ لینے کے لئے سمندر کے اندر جانے سے روکنا شروع کر دیا۔ کچھ ہچکچاہٹ کے بعد حکومت نے اس کام سے باز رکھنے کے لئے العدل والاحسان کے خلاف کارروائی کرنے کا فیصلہ کیا۔ موسم گرما کی آمد پر، اصلاحات سے متعلق ہونے والے مباحثوں میں لوگوں کی دلچسپی ماند پڑ گئی۔ جدت پسندوں نے رائے عامہ کو اپنے دعوؤں کی حمایت کے لئے استعمال کرنے کی کوشش کی۔ اس سروے کے مطابق ۸۰ فیصد لوگ اصلاحات چاہتے تھے۔ تاہم شادی کے موقع پر عورت کے لئے ولی کی شرط کے خاتمے کی مجوزہ ترمیم کا تقریباً ہر شخص مخالف تھا۔

سرکاری بیانات میں سیاستدان اکثر زور دینے لگے کہ عائلی قانونی اصلاحات فی الحال منصوبے کی حیثیت نہیں رکھتیں بلکہ اس مقصد کے حصول کے لئے یہ محض تجاویز ہیں۔ خواتین کی تنظیموں نے اس پسپائی کی وجہ سے پریشان ہو کر حامی سیاستدانوں کو تحریک کے لئے آمادہ کرنا شروع کر دیا۔ اکتوبر ۲۰۰۰ء کو ایک قدامت پسند جماعت پی جے ڈی (جواب تک حکومت کی حامی تھی) نے حزب اختلاف میں شامل ہونے کا فیصلہ کر لیا۔

مارچ ۱۹۹۹ء میں اصلاحات کے منصوبے پر اجیکٹ پلان کے پیش کئے جانے اور سال ۲۰۰۰ء کو ساحلوں پر قدامت پسند اسلامی تنظیموں کی جانب سے نماز پڑھنے کے عرصہ کے دوران رونما ہونے والے واقعات، تصورات اور تعلقات کی ایک خاص نہج کی طرف اشارہ کرتے ہیں۔ سب سے پہلے تو اصلاحات کے منصوبے کی حمایت کرنے والوں اور اس کے مخالفین کے درمیان دوطرفہ مخالفت کا ظہور ہوا، بلکہ ہر گروہ کے اندر بھی اندرونی اختلافات نمودار ہوئے۔ اگر چہ سب گروہ اسلام کی صحیح تفہیم کا دعویٰ کرتے ہیں اور معاشرے میں اپنی بات کہنے کے حق کا مطالبہ کرتے ہیں مگر اگلے سال بھی یہی ٹکراؤ اور جھگڑے پیدا ہوں گے اور انہی خیالات کا اظہار کیا جائے گا۔ مگر ان کشمکشوں کی موجودگی کے باوجود مباحثوں میں بادشاہ سے بطور امیر المومنین مداخلت کرنے کی درخواست کی جائے گی۔

شیخ یاسین کے پیروکاروں کو چھوڑ کر، اصلاحات کے منصوبے کے حامی اور مخالفین امید رکھتے ہیں کہ بادشاہ محمد ششم اصلاحات کے بارے میں ان کے خیالات و تصورات کا دفاع کرے گا۔ روایت پسندوں اور میانہ رو اسلامی گروہوں کی رائے میں بادشاہ صرف علماء کے ساتھ مشورے سے ہی عائلی قانون کو شریعت کے مطابق تبدیل کرنے کا اختیار رکھتا ہے۔ جدت پسند علماء کے اس کردار کو مراکش کی روایات کے منافی دیکھتے ہیں۔ جدت پسندوں کے خیال میں یہ شیعہ اصول ولایت فقیہ کا عملی اظہار ہوگا جو ایران میں انقلاب ۱۹۷۹ء سے رائج ہے۔ ولایت فقیہ کے نظریے کے مطابق علماء نہ صرف دین کے محافظ ہوتے ہیں بلکہ ان کے پاس خدائی قانون کے نفاذ کے لئے سیاسی اختیار بھی ہونا چاہیے۔ مراکشی اصلاحات پسند ولایت فقیہ کے اصول کو صدیوں سے رائج مالکی نظریے اور ملوکیت کے متضاد خیال کرتے ہیں۔

بادشاہ محمد ششم نے اسلامی تنظیموں، روایت پسندوں یا حکومت اور جدت پسندوں سمیت ہر گروہ کی تجاویز پر کافی عرصہ تک ردعمل ظاہر کرنے سے گریز کئے رکھا۔ عائلی قانون میں اصلاحات کے معاملے پر بادشاہ محمد ششم بھی اسی بندگلی میں کھڑے ہیں جس میں ان کے والد کھڑے تھے۔ ہر گروہ چاہتا ہے کہ بادشاہ اسلام کے بارے میں وہ تعبیر صحیح قرار دے جسے وہ پیش کرے۔ سردست بادشاہ کے پاس واحد حل دیکھو اور انتظار کرو کی پالیسی ہے۔

عورتوں کے خلاف تشدد اور بین الاقوامی معاہدات

کاسابلانکا اور رباط میں سال ۲۰۰۰ء کے آخر تک عائلی قانون کے بارے میں بحث صرف حقوق نسواں کی تنظیموں تک ہی محدود تھی۔ حقوق نسواں کی ان تنظیموں نے حکومت پر زور دیا کہ وہ دوبارہ سرگرمی دکھائے اور درخواست کی کہ حکومت اصلاحات کو سماجی اور معاشی مسائل تک ہی محدود نہ کرے بلکہ مدونۃ میں اصلاحات کے لئے سرگرمیاں جاری رکھے۔ عورتوں کے خلاف تشدد کا خاتمہ ان کا سب سے بڑا ایجنڈا تھا۔ عورتوں کے حقوق کی بہت سی تنظیموں اور دوسرے اداروں نے عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کے لئے عالمی دن کے موقع پر حکومت کو ایک یادداشت پیش کی۔ اس یادداشت میں انسانی حقوق کے سلسلے میں متعدد معاہدات، مراکشی آئین اور عورتوں کے خلاف ہر قسم کے امتیاز کے خاتمہ کے لئے اقوام متحدہ کے میثاق وغیرہ کے حوالہ جات موجود تھے۔

ان تنظیموں نے حکومت سے عورتوں کے خلاف تشدد کے خاتمے کے لئے زیادہ توجہ کا مطالبہ کیا۔ گھریلو تشدد اور جنسی خوف و ہراس کے خاتمے کے لئے حکومت سے کہا کہ وہ پولیس کو ہدایت کرے کہ وہ گھریلو تشدد کو نجی معاملہ قرار نہ دے بلکہ اسے سنجیدگی سے حل کرے۔ عورتوں کی ایک تنظیم ADFM نے مراکشی فوجداری قانون کے جائزے پر مبنی رپورٹ شائع کی۔ اس تنظیم نے نتیجہ نکالا کہ فوجداری قانون اور ضابطہ فوجداری کی پندرہ دفعات عورتوں کے خلاف امتیازی ہیں۔ اس تنظیم نے پینل کوڈ

اصلاحات کے ضمن میں بادشاہ کا کوئی کردار نہیں ہونا چاہیے۔

جدت پسندوں کا اصلاحات کے لئے دفاع

علماء اور اسلامی تنظیموں کی سرگرمیوں نے جدت پسندوں کو اصلاحاتی منصوبے پراجیکٹ پلان کا دفاع کرنے پر مجبور کر دیا۔ وزیر اعظم یوسفی کی سوشلسٹ پارٹی کے حامی اخبار لبریشن نے ۲۲-۲۳ رجنوری ۲۰۰۶ کو اپنے ہفتہ وار ایڈیشن میں ایک صفحے پر مشتمل اصلاحاتی منصوبے کے خلاصے میں اس منصوبے کے مخالفین پر سخت تنقید کی اور انہیں ''علم، ترقی وروشن خیالی کی مخالف اقلیت'' قرار دیا۔ اخبار نے کہا کہ حکومتی منصوبہ، پراجیکٹ پلان، مراکشی عورتوں کے حقیقی مسائل کے مکمل تجزیے پر مبنی ہے اور اس کی بنیاد اسلام اور آفاقی اصولوں پر رکھی گئی ہے۔ اخبار لبریشن میں لکھے گئے اس مضمون کے خالق بشیر زنکوی نے حیرت کا اظہار کیا کہ یہ لوگ ترقی اور غریبوں کے حالات میں بہتری کے کیوں مخالف ہیں۔ انہوں نے کہا کہ ایسا کر کے یہ لوگ اپنی مالی مراعات کا دفاع کر رہے ہیں جو انہوں نے بدعنوانی اور جبر وتشدد کے ذریعے حاصل کر رکھی ہیں۔ تمام جمہوریت پسندوں کو ان ''علم اور روشن خیالی کے مخالف مراکشی طالبان'' کے خلاف متحرک ہو جانا چاہیے۔ یہ الجیریا کی طرح کے حالات پیدا کرنے کے قریب ہیں۔ ان کے غلط الزامات اور مذہب سے منسوب جھوٹ کی وجہ سے 'قومی مباحث' کو خطرات لاحق ہیں۔

اگلے روز ہی بائیں بازو کے ایک فرانسیسی اخبار ''البیان'' نے وزیر مذہبی امور الوعی مدغری کے خیالات کو رد کرنے کے لئے ایک طویل مضمون شائع کیا۔ مصنف مصطفی زوئی نے مذہب کو سیاست کے لئے استعمال کے موضوع پر مقالہ لکھا۔ وہ الغزالی کے حوالے سے کہتے ہیں کہ علماء کو اپنی ذہنی صلاحیت قانون ساز مقتدرہ کے تابع کر دینی چاہیے تا کہ فتنہ سر نہ اٹھائے وزیر مذہبی امور اور ایک مذہبی تنظیم نے ولایت فقیہہ کے شیعی نظریے کی حمایت کی زوئی کے مطابق یہ بحث صدیوں پہلے اس وقت طے ہو چکی تھی جب مالکی علماء نے الموحدین کے نظریات کو ولایت الامہ کے اصول کی حمایت کرتے ہوئے مسترد کر دیا۔ جدت پسندوں کے خیال میں وزیر مذہبی امور کی طرف سے عائلی قانون کے ساتھ معاہداتی طریقہ کمزوروں کو کافی تحفظ فراہم نہیں

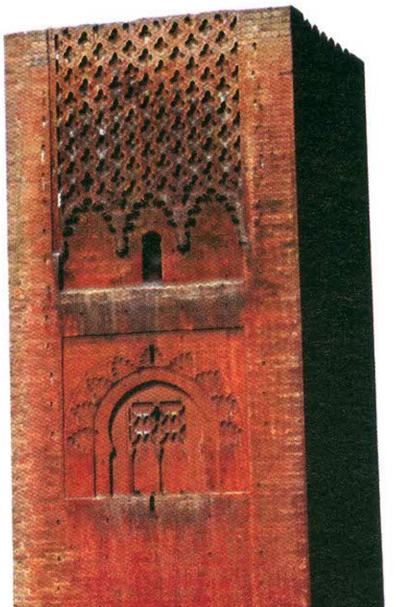

کرتی، جبکہ اس کے برعکس، مالکی فقہ کی روشنی میں بنائی گئی حکومتی تجاویز کا مقصد مقدس قانون یعنی شریعہ کی تعبیر کے ذریعے عوامی مفادات کا تحفظ کرنا ہے۔

نامور دانشور عبدوفلالی انصاری نے اصلاحات کے دفاع کے لئے ایک مختصر مگر شاندار مضمون تحریر فرمایا۔ وہ نصوص کی لفظی تعبیر کے خلاف ہیں۔ عائلی قانونی اصلاحات کا مقصد، ان کے خیال میں اسلام کے پیغام سے انصاف کرنا ہے۔ مدونہ محض اسلامی مآخذ کی ایک علاقائی تعبیر ہے جبکہ مدونہ قدیم علماء نے ترتیب دیا تھا، مگر اب وہ موجودہ حالات کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتا۔ اس ضابطے کا اطلاق ناانصافیوں کو جنم دے رہا ہے۔ دور حاضر کے علماء کو اسلام کا انقلابی پیغام سمجھنا چاہیے اور اسی وجہ سے انہیں صنفی ناانصافی کی بھی مخالفت کرنی چاہیے۔

ثقافتی درستی کا معاملہ مباحثوں کا ایک اہم موضوع ہے۔ روایت پسند علماء اصلاح پسندوں کو کافر کہتے ہیں جو ان کے خیال میں مغربی نظریات کی وجہ سے بھٹک گئے ہیں۔ جواباً اصلاح پسند ان قدامت پسند علماء کو غیر ملکی اثر ورسوخ کے تابع قرار دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان قدامت پسند علماء کی قانون سازی کے عمل پر غلبہ حاصل کرنے کی خواہش ایران کی طرز پر ولایۃ الفقیہہ کے نظریے کی بناء پر ہے۔ اس کے برعکس جدت پسندوں کی اصلاح پسندانہ سوچ اسلام کے عین مطابق ہے اور یہ مالکی مذہب پر مبنی ہے۔ مالکی طرز فکر برداشت پیدا کرتی ہے اور امیر المؤمنین کے منصب کا دفاع کرتی ہے۔ جدت پسندوں کے مطابق حقیقی اسلام سے مراد مساوات، انسانی حقوق اور اجتہاد ہے۔

کشمکش کا عروج: دو مظاہرے

اصلاح پسندوں اور قدامت پسند اسلامی تنظیموں کے درمیان آویزش ۱۲ مارچ ۲۰۰۰ء کو مزید شدت اختیار کر گئی۔ اصلاح پسندوں نے عوام سے عالمی یوم خواتین کے موقع پر عائلی اصلاحات کی حمایت کے لئے رباط آنے کو کہا۔ جوابی کارروائی کے طور پر قدامت پسند اسلامی تنظیموں نے جماعت العدل والاحسان کے ساتھ مل کر اپنے حامی لوگوں کو عین اسی روز کاسابلانکا (دار بیضاء) جمع ہونے کے لئے کہا تا کہ غیر ملکی اثرات اور خلاف اسلام اصلاحات کے خلاف احتجاج کیا جا سکے۔ یہ بہت منظم مظاہرہ تھا جس میں پورے مراکش سے لوگوں کو بسوں کے ذریعے کاسابلانکا میں اکٹھا کیا گیا تھا۔ ایک اسلامی تنظیم پی جے ڈی کی محترمہ حکوئی کثیر الازدواجی کو عورت کا حق خیال کرتی ہے [کذا]۔ ان کے مطابق عورت کی دوسری، تیسری یا چوتھی بیوی کے طور پر حیثیت کو قانونی بنانے سے کثیر الازدواجی عورت کو عصمت فروشی اور داشتہ پن سے بچاتی ہے۔ تاہم حکوئی صاحبہ حکومت کی چند تجاویز کو بجا سمجھتی ہیں۔ وہ طلاق کے بعد عورت کے اپنی شادی والے گھر میں رہنے

نہیں ہونے چاہئیں اور نہ یہ مطلوب ہے۔ مدونۃ ایک انسان کا بنایا ہوا قانون ہے لہٰذا اس کی تعبیرات میں اختلاف ہوسکتا ہے اور اس میں ترمیمات کی جاسکتی ہیں۔

بادشاہ کی وفات اور اسلامی شدت پسندوں کا ظہور

۲۳/ جولائی ۱۹۹۹ء کو شاہ حسن دوم کی وفات کے بعد عائلی قانون میں اصلاحات کے موضوع پر مباحث زیادہ کثرت سے منعقد ہونے لگے۔ نوجوان محمد ششم کی تخت نشینی سے لوگوں کے دلوں میں سماجی، سیاسی اور معاشی تبدیلیوں کے لئے توقعات بڑھ گئیں۔ اسے ''غریبوں کا بادشاہ'' خیال کیا گیا، جو عام مراکشیوں کی بود و باش میں تبدیلیاں لانے کا اہل ہے۔ تخت نشینی کے بعد پہلی تقریر میں انہوں نے عورتوں اور مردوں کے مساوی حقوق کے نظریے کے ساتھ ساتھ عورتوں کو مراکشی سوسائٹی میں ضم کرنے کے نظریے کی تائید کی۔

سال ۱۹۹۹ء کے آخر اور ۲۰۰۰ء کے آغاز پر اسلامی تنظیموں نے خواتین کے معاشرے میں انضمام کے منصوبے کے خلاف سخت ردعمل دکھایا۔ ان قدامت پسند تنظیموں نے مراکشی خاندانوں کے تحفظ کے لئے ایک قومی کمیٹی کی تشکیل کا اعلان کیا۔ اس کمیٹی کا قیام ۷/نومبر ۱۹۹۹ء کو ہوا۔ اصلاحات کے پراجیکٹ پلان کی انتہا پسندی اور اس خطرناک ارادے کے خلاف جدوجہد میں کمیٹی نے لوگوں سے حمایت طلب کرنا اس کمیٹی کا منشور تھا۔ کمیٹی کے خیال میں حکومت کا منصوبہ نہ صرف شریعت کے منافی ہے بلکہ مراکش کے لوگوں کے رہن سہن سے بھی مطابقت نہیں رکھتا اور یہ سراسر مغربی اثرات کی پیداوار ہے۔

ان اسلامی گروہوں نے ماہ رمضان کے آخری عشرے میں اصلاحات کے منصوبے، پراجیکٹ پلان کے خلاف اپنی جارحانہ مہم میں شدت پیدا کردی۔ ایک مذہبی شدت پسند تنظیم حرکۃ التوحید والاصلاح کے چیئرمین ڈاکٹر احمد ریسونی نے ۲۳/رمضان ۱۴۲۰ بمطابق یکم جنوری ۲۰۰۰ء کو لوگوں سے اپیل کی کہ وہ اصلاحاتی منصوبے کے خلاف احتجاج کریں اور ایک ایسے متبادل منصوبے کا مطالبہ کریں جو مراکشی معاشرے کی حقیقی ضروریات کا ادراک کرتے ہوئے بنایا گیا ہو اور اسلام کے اصولوں کے مطابق ہو۔ اصلاحاتی منصوبے کی مخالفت کرنے والی ان انتہا پسند اسلامی تنظیموں کے مطابق مجوزہ تجاویز ان بے اصل مسائل کا حل پیش کرتی ہیں جو معاشرے میں شاذ و نادر ہی سر اٹھاتے ہیں مثلاً کثیر الازدواجی اور چھوٹی عمر میں شادی وغیرہ۔ کمیٹی کے مطابق ان شرعی اور مسلمہ روایات کا خاتمہ غیر عاقلانہ فعل ہوگا کیونکہ ان روایات کی مدد سے بہت سے سماجی مسائل قابل قدر انداز میں حل ہو جاتے ہیں۔ طلاق کے موقع پر جائیداد کی تقسیم غیر منصفانہ انداز سے ہونے کا امکان ہوتا ہے اور اس سے سخت سماجی بگاڑ پیدا ہوسکتا ہے۔ عدالتی طلاق شادیوں کے نتیجے میں پیدا شدہ بچوں پر شدید برے اثرات مرتب کرسکتی ہے۔ شادی کے موقع پر ولی کی شرط کا خاتمہ مراکشی اقدار کے منافی ہے۔ پراجیکٹ پلان زندگی کے حقیقی مسائل کا قطعاً کوئی حل پیش نہیں کرتا اور نہ ہی مراکشی عوام کی مشکلات کی نمائندگی کرتا ہے بلکہ، کمیٹی کے خیال میں اونچے طبقہ اور امیر بگڑی ہوئی عورتوں کو پیش آمدہ مسائل کا ترجمان ہے۔

جماعت العدل والاحسان: مکالمہ اور مکمل اصلاح

جنوری ۲۰۰۰ء کے اختتام پر اصلاحاتی منصوبے پراجیکٹ پلان کا مخالف ایک اور گروہ ''جماعت العدل والاحسان'' جو اب تک پس پردہ تھا، سامنے آیا۔ وزیر مذہبی امور، قدامت پسند علماء اور ایک اسلامی جماعت کو اظہار رائے کی جو آزادی حاصل تھی اس کی بنیاد پر جماعت عدل والاحسان کے راہنما عبدالسلام یاسین کو اندازہ ہوگیا کہ اس نئے دور میں حکام اسے کتنی آزادی دینے پر تیار ہوں گے۔ ۱۹۷۴ء میں شیخ یاسین نے شاہ حسن دوم سے کھلے خط کے ذریعے ناجائز طور پر حاصل کی گئی دولت واپس لوٹانے اور مذہب کے منافی طرز زندگی چھوڑنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اس طرح اس نے اس کھلے خط کے ذریعے اشارہ کیا تھا کہ بادشاہ نے شاہی جائیداد عوام الناس کا مال چرا کر جمع کی ہے۔ اس الزام کے نتیجے میں شیخ یاسین کو ساڑھے تین سال پاگل خانے اور نظر بندی میں گزارنے پڑے۔ شیخ یاسین کی قید و بند کی یاد میں اس جماعت نے ایک اجلاس منعقد کیا۔ یہ پہلا موقع تھا اس جماعت نے عائلی قانونی اصلاحات کے منصوبے پر اظہار خیال کیا۔ شیخ یاسین کی تجویز پر بادشاہ محمد ششم کا ردعمل اپنے والد سے مختلف تھا۔ یہ ردعمل اس جمہوری تاثر کے عین مطابق تھا جو نوجوان بادشاہ کے بارے میں عوام میں رائج ہے۔ یاسین کی گھر میں نظر بندی ختم کردی گئی تھی۔

اگرچہ شیخ یاسین کے لئے عائلی قانونی اصلاحات کا مسئلہ کسی اہمیت کا حامل نہ تھا، مگر اس کی بیٹی نادیہ یاسین جو شیخ کی ترجمان کے عہدے پر کام کررہی تھی، اپنے انٹرویوز میں حکومتی اصلاحاتی منصوبے یعنی پراجیکٹ پلان کو تنقید کا نشانہ بنانے لگی۔

> اسلام میں کلیسائی نظام نہیں ہے اور کسی ایک گروہ کو مقدس نصوص کی تعبیر کرنے کا مخصوص حق حاصل نہیں، بلکہ اسلام کو ماننے والے تمام لوگ اجتہاد کرسکتے ہیں۔

نادیہ کا کہنا تھا کہ اعلیٰ طبقہ، جس نے یہ منصوبہ پیش کیا ہے بقیہ مراکشی معاشرے سے بالکل منقطع اور جدا ہے۔ اس کا کہنا تھا کہ مدونۃ کوئی مقدس متن نہیں ہے کیونکہ یہ مطلق العنان حاکم کا بنایا ہوا ہے لہٰذا اس کی مکمل ترمیم ضروری ہے۔ لاکھوں عورتیں اس کی وجہ سے ناانصافی کا شکار ہیں۔ اسلام جیسا قرآن اور سنت رسول ﷺ میں مجسم ہے، دین انصاف ہے۔ اجتہاد کے ذریعے عائلی قانون ہمعصر معاشرے کی ضروریات کے مطابق ڈھالا جاسکتا ہے۔ کثیر الازدواجی ایک ایسی روایت ہے جس کی اللہ نے اجازت دے رکھی ہے۔ مدونۃ میں ایک شرط داخل کرکے شادی کے موقع پر کئے گئے معاہدے میں بیوی کو خاوند کی جائیداد میں حصہ دار بنایا جاسکتا ہے۔ طلاق کا مروجہ طریقہ قرآنی احکام کے مطابق ہے۔ لڑکیوں کی شادی کی عمر حکومت مقرر کرسکتی ہے۔ نادیہ یاسین نے کہا کہ مدونۃ کی اصلاح، معاشرتی اور سیاسی اصلاح کے ایک بڑے منصوبے کا حصہ ہونی چاہیے۔ حکومتی اصلاحی منصوبے کے خلاف ان کی طرف سے احتجاج واضح انقلابی جدوجہد کا حصہ ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ

یا محض لوگوں کو خاموش کرانے کیلئے بنایا گیا۔ اکتوبر ۲۰۰۱ء میں عورتوں کی تنظیموں نے عائلی قانون کے لئے بنائے گئے کمیشن کی پیش رفت کے بارے میں زیادہ باخبری اور وابستگی کے لئے ایک گروپ تشکیل دیا۔

شاہ ششم نے ۲۳ نومبر ۲۰۰۱ء کو مداخلت کی۔ بادشاہ نے عائلی اصلاحات کیلئے بنائے گئے کمیشن کے سربراہ سے پیش رفت کا جائزہ لینے کے لئے میٹنگ کی۔ اس اجلاس میں کمیشن کے دو مقاصد کو مزید واضح کیا گیا یعنی (۱) موجودہ عائلی قانون کے نفاذ کو زیادہ مؤثر بنانے کے لئے عدالتی اصلاحات اور اضافی وسائل کی تفویض اور (۲) مدونة کی اصلاح بادشاہ نے مقصد کے حصول کے لئے کمیشن کی حوصلہ افزائی کی اور سخت محنت کرنے کے لئے کہا۔ آٹھ مارچ ۲۰۰۲ء کو عورتوں کی تنظیموں نے ایک بار پھر عوام کی توجہ اپنے مقصد کی طرح مبذول کرائی۔ انہوں نے رباط میں پارلیمنٹ کی عمارت کے سامنے دھرنا دیا۔ وہ یہ ظاہر کرنا چاہتی تھیں کہ انہیں عائلی قانون کی اصلاحات کے لئے بنائے گئے کمیشن کی پیش رفت پر تشویش ہے۔

بادشاہ نے ایک بار پھر اصلاحاتی کمیشن کے چیئرمین درس دہاک، وزیر انصاف اور وزیر مذہبی امور کے ساتھ ۱۳ مارچ ۲۰۰۲ء کو میٹنگ کی۔ اول، انہوں نے عائلی معاملات کے لئے عدالتوں میں خاص شعبوں کے قیام کا اعلان کیا۔ دوم، بادشاہ نے حکم دیا کہ سال ۲۰۰۲ء کے اختتام سے قبل اسے عائلی قانون میں اصلاحات کا جامع اور وقیع مسودہ پیش کیا جائے۔ بظاہر شاہ محمد چہارم اپنے والد کا ۱۹۹۳ء میں اختیار کیا گیا طریقہ اپنانا نہیں چاہتا تھا یعنی کہ پارلیمنٹ توڑ کر نئے عائلی قانون کا مواد طے کرنے کے لئے اپنے قانون سازی کے اختیارات کا استعمال اگرچہ امیر المؤمنین کو عائلی قانون میں اصلاحات کے عمل میں حتمی فیصلہ کرنے کا اختیار حاصل ہے مگر اس مرتبہ عوامی نمائندوں کو مسودہ قانون پر بحث کی اجازت حاصل ہوگی۔

نتیجہ بحث: عوامی حلقوں کا ظہور

مختلف اصلاح پسند گروپ مدونة میں اصلاحات کے لئے انسانی حقوق، سول سوسائٹی، حقوق شہریت، ترقی اور نشوونما جیسے تصورات کو مدنظر رکھنے اور قانون کو بدلتے سماجی حالات کے مطابق بنانے کا مطالبہ کرتے ہیں۔ یہ اصلاح پسند گروپ ''سول سوسائٹی'' کے تصور کو نہ صرف مراکشی معاشرے کی تفہیم کے لئے ذریعہ علمی کے طور پر بلکہ تبدیلی کے لئے اوزار کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ سول سوسائٹی کے نام پر یہ اصلاح پسند عائلی قانون کے موضوعات پر ہونے والی بحث میں شرکت کا حق مانگتے ہیں اور اجتہاد کے بارے میں اپنی آراء کا اظہار کرتے ہیں۔ ان کے خیال میں اجتہاد صرف علماء کا ہی حق نہیں بلکہ ہر مسلمان یہ حق رکھتا ہے۔ وہ اپنے حق اجتہاد کا دفاع قومی مالکی روایت کے حوالے سے کرتے ہیں۔ مالکی علمی روایت جدت پسندوں کو جواز بخشتی ہے کہ بطور امیر المؤمنین وہ بادشاہ سے درخواست کریں کہ وہ انہیں علماء کے غلبہ سے نجات دلائے۔ اب حال ہی میں اصلاح پسندوں نے مالکی روایت اور امیر المؤمنین کے ادارے کو حوالے کے طور پر پیش کرنا شروع کر دیا ہے تا کہ علماء اور اسلامی جماعتوں کی طرف سے ارتداد اور مغربیت کے الزامات کے خلاف دفاع کر سکیں۔ عائلی قانون میں اصلاحات کے مخالفین اصلاح پسندوں کو شریعہ کے دشمنوں کے طور پر پیش کرتے ہیں جو دشمن غیر ملکی قوتوں مثلاً عالمی بنک کے ساتھ تعاون کر رہے ہیں۔ ان اسلامی جماعتوں کے مطابق قانونی اصلاحات صرف بادشاہ کی زیر نگرانی علماء کے اجتہاد کی مدد سے کی جاسکتی ہیں۔ اسلامی جماعتیں حضرت محمد ﷺ کے دور کو پیروی کے لئے مثالی گردانتی ہیں۔ شریعہ عورتوں کے حقوق کی مناسب حفاظت کرتی ہے۔

آراء میں وسیع اختلافات کے باوجود اکثر پارٹیاں بعض اہم تصورات پر اختلافات نہیں رکھتیں۔ تمام جماعتیں اسلام اور شریعہ کو اپنے تصورات کے مآخذ کے طور پر پیش کرتی ہیں۔ تاہم مشترکہ اسلامی تصورات مثلاً شریعہ، اجتہاد، انسانی حقوق، سول سوسائٹی، جمہوریت، ترقی، بادشاہ کے امیر المؤمنین کے طور پر کردار وغیرہ کی تعبیر پر مختلف گروپوں میں اختلافات ہیں۔ ان اصطلاحات کی مختلف تفہیم ہر گروہ کے اپنے ہی خاص مقاصد کی تکمیل کرتی ہے۔

مباحث کی کثرت، سخت زبان کا استعمال اور ارتداد و الحاد، علم و تحقیق کی مخالفت، جہالت اور غداری کے الزامات وغیرہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ اساسی اقدار نقصان کی زد میں ہیں۔ بحث معاشرے، خاندان اور اسلام جیسے موضوعات کے ضمن میں ان گروہوں کے باہمی متصادم تصورات کے بارے میں ہے۔ عائلی قانون کے بارے میں بحث مختلف سماجی طبقات کے درمیان پائے جانے والے مفادات کے ٹکراؤ کا نتیجہ بھی ہو سکتی ہے۔

> طلاق سے پہلے اور بعد میں بچوں کا نفقہ باپ کی ذمہ داری ہے، چاہے طلاق کے بعد ماں ان کی نگہداشت کر رہی ہو یا نہ کر رہی ہو۔

یہ بحثیں محض مراکشی عائلی قانون کے بارے میں ہی نہیں بلکہ بنیادی سیاسی مسائل سے متعلق بھی ہیں۔ عائلی قانون کے بارے میں جو بحث جاری ہے وہ مراکشی معاشرے میں واقع ہونے والی سیاسی پیشرفتوں کا حصہ ہے۔ عائلی قانون معاشرے میں اسلام کے مقام اور سیاست میں شرکت کے حق کی علامت بن چکا ہے۔ اسلام کی معتبر تعبیر کا حق کسے حاصل ہے؟ ذمہ داری سنبھالنے کے بعد نئی حکومتی پارٹیوں نے اسلام کی تعبیر کرنے کا حق طلب کیا۔ تاہم روایت پسندوں اور اسلامی پارٹیوں کی طرف سے شدید مزاحمت کے جواب میں جدت پسند، شاہ محمد چہارم کے پاس پناہ لینے اور اسے امیر المؤمنین کے طور پر احترام دینے پر مجبور ہو گئے۔ اس اپیل کا ضمنی مفہوم بادشاہ کے با اختیار منصب کا استحکام ہے جسے اس کے والد حسن دوم نے اپنے تقریباً چالیس سالہ دور میں استوار کیا تھا۔

عائلی قانون کی بحث میں جدت پسند، روایت پسند اور اسلامی جماعتیں بادشاہ کی طرف بطور امیر المؤمنین رجوع کرتی ہیں۔ صرف شیخ یاسین کے انقلابی پیروکار خیال کرتے ہیں کہ وہ بادشاہ کی عنایت کے بغیر ہی اپنا کام چلا سکتے ہیں، مگر انہیں اس رائے کے علانیہ اظہار کی اجازت نہیں۔ مدونۃ میں اصلاحات کے لئے ایک کمیشن کا قیام کر کے شاہ محمد ششم نے اس اپیل کو اپنی قیادت کے جوہر دکھانے کے لئے قبول کر لیا ہے۔ اسے کمیشن کو ہدایت کرنا ہوگی کہ وہ ایسا مسودہ قانون تجویز کرے جو جدت پسندوں، روایت پسندوں اور اسلامی جماعتوں کے لئے اطمینان بخش ہو۔ آراء کے شدید اور کثیر اختلافات سے ایسے کسی حل کا سامنے آنا نہایت مشکل دکھائی دیتا ہے۔

حاشیہ

۱۔ ''شریعت کی سماجی تشکیل'' کی اصطلاح ڈاکٹر خالد مسعود صاحب نے استعمال کی ہے۔ اسلام کی قانونی روایت کو سمجھنے میں یہ تصور بے حد مفید ہے۔

- پروفیسر لیون بسکنز، لائیڈن یونیورسٹی اور اوترخت یونیورسٹی میں اسلامی قانون کے استاد ہیں۔ مراکش میں اسلامی قانون کا ارتقاان کا خاص موضوع ہے۔ زیر نظر مقالہ مجلّہ ''اسلام اینڈ سوسائٹی'' (جلد دہم، (۲۰۰۳ء) شمارہ نمبر ا (صفحات ۷۰-۱۳۱) میں شائع ہوا۔
- تلخیص و ترجمہ: محمد اشرف طارق، ٹرانسلیشن آفیسر، اسلامی نظریاتی کونسل۔

عقل اور شریعت

عقل شریعت کے بغیر ہدایت نہیں پاتی اور شریعت عقل کے بغیر واضح نہیں ہوتی، عقل بنیاد کی مانند ہے اور شریعت عمارت کی مانند، اور بنیاد عمارت کے بغیر کوئی فائدہ نہیں دیتی اور عمارت اساس کے بغیر قائم نہیں رہ سکتی۔ عقل بینائی اور شریعت روشنی کی مانند ہے۔ بینائی کوئی فائدہ نہیں پہنچا سکتی جبکہ باہر روشنی نہ ہو اور روشنی کوئی فائدہ نہیں دے سکتی جب تک بینائی نہ ہو۔ عقل چراغ کی مانند ہے اور شریعت اس تیل کی مانند ہے جو اسے تقویت دیتا ہے، جب تک تیل نہ ہو چراغ جل نہیں سکتا اور جب تک چراغ نہ ہو تیل روشنی نہیں کر سکتا۔

شریعت باہر سے عقل ہے اور عقل اندر سے شریعت ہے اور یہ دونوں ایک دوسرے کے مدد گار بلکہ دونوں متحد ہیں۔ شریعت کے باہر سے عقل ہونے کے سبب اللہ تعالی نے قرآن میں ایک سے زائد مقامات پر کافر سے عقل کی نفی کی ہے، جیسے ارشاد فرمایا:" وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اندھے ہیں، پس وہ عقل نہیں رکھتے"، اور عقل اندر سے شریعت ہے۔ چنانچہ اللہ تعالی نے صفت عقل کے بارے میں کہا:"اللہ کی بناوٹ جس پر اس نے لوگوں کو پیدا کیا، اللہ کی پیدا کردہ چیز میں کوئی تبدیلی نہیں اور یہ پختہ دین ہے۔'' تو عقل کو دین کا نام دیا اور ان دونوں کے متحد ہونے کی وجہ سے اللہ تعالی نے کہا: روشنی پر روشنی یعنی عقل کی روشنی اور شریعت کی روشنی۔

وہ شخص جو قرآن کی جانب فہم میں عقل کے استعمال کے بغیر متوجہ ہوتا ہے اس شخص کی طرح ہے جو اپنی آنکھیں بند کرلے، یہاں تک کہ اس روشنی کو نہ دیکھ پائے اور اس وقت اس کا ایسے شخص سے کوئی امتیاز نہیں جو واقعتاً بینائی سے محروم ہو چکا ہو۔

(امام غزالی)

ملایشیا

پروفیسر ہاشم کمالی

حدود کے نفاذ کا مسئلہ

پروفیسر ہاشم کمالی کی کتاب پر تبصرہ

حدود کی سزاؤں کے نفاذ میں عام طور پر جرائم کی روک تھام کیلئے سخت ترین سزاؤں کے اجراء کا رجحان ہے جبکہ سزاؤں کے قرآنی تصور میں انصاف اور اصلاح پر دوہرا زور دیا گیا ہے، جو فلسفہ سزا کا بنیادی نقطہ اور منشاء ہے۔ پروفیسر کمالی کا کہنا ہے کہ حدود کے بارے میں پالیسی کی تشکیل میں روایتی فقہی انداز اس موضوع پر قرآنی رہنمائی کا کما حقہ اظہار نہیں کرتا اور مخصوص نقلی اور تقلیدی رجحان کی وجہ سے کیلنٹان کا حدود بل نہ صرف قرآن کے متوازن نقطہ نظر کے ضروری تقاضے کو پورا نہیں کرتا بلکہ موجودہ ملائشین معاشرے کے سماجی حالات اور حقائق کو بھی نظر انداز کر دیتا ہے۔

''حدود'' بذاتِ خود مقصد نہیں ہیں، بلکہ جرائم کے خاتمے اور انصاف کے قیام کا ایک ذریعہ ہیں۔ یہ مقصد اسی وقت پورا ہوسکتا ہے، جب انہیں پوری شریعت کے ہمہ جہتی ڈھانچے اور تقاضوں کے ساتھ نافذ کیا جائے۔ ہمارے سامنے سوال یہ ہے کہ پہلے کیا چیز آئے گی: اسلامی ریاست، شریعہ یا حدود، اگر ہم اس ترتیب کو الٹ کر نافذ کریں اور صرف حدود کو باقی چیزوں سے علیحدہ کر کے نافذ کرنے کی کوشش کریں، تو خدشہ ہے کہ ہم حدود کا نامکمل اطلاق کر رہے ہوں گے، جس کا نتیجہ ممکن ہے خود حدود اور شریعت کا مقصد پورا نہ کرے اور اسکے برخلاف ظلم اور زیادتی کا باعث بن جائے یہ حدود بل کیلنٹان اور ملائشیا کے لوگوں کے سامنے ان امکانات کے ساتھ آتا ہے کہ یا تو شریعت کے مخصوص قوانین کو اس کے بلند تر مقاصد کو قربان کرتے ہوئے نافذ کر دیا جائے یا مقاصد شریعہ کو ترجیح دیتے ہوئے مخصوص قوانین پر کسی حد تک لچک کے ساتھ سمجھوتہ کر لیا جائے۔ اس کتاب میں اس نقطہ نظر کو فوقیت دی گئی ہے کہ انصاف کی فراہمی زیادہ ضروری ہے۔ اگرچہ اسکے نتیجے میں کچھ سزاؤں پر عمل درآمد کرتے وقت ایک سمجھوتہ کرنا پڑے۔ پروفیسر کمالی کے مطابق ''میں جرائم کا خاتمہ کرنے پر کوئی سمجھوتہ تجویز نہیں کر رہا بلکہ میری تجویز یہ ہے کہ سزا کو اپنا اصل مقصد پورا کرنا چاہیے یعنی جرم کا خاتمہ اور انصاف کی فراہمی، مقصد اور ذریعہ کا یہ تعلق ذہن میں رکھنا ضروری ہے بصورت دیگر ہم ایک مکینیکل اور بے مقصد مشق میں الجھے رہیں گے۔''

اس کتاب میں یہ نقطۂ نظر اپنایا گیا ہے کہ اسلام کی اخلاقی اقدار اور سماجی معاون نظام سے، جس میں مرد (اور معاشرے) کی بنیادی ضروریات پوری ہونے کی ضمانت موجود ہو، وہ بنیادی معاشرتی ڈھانچہ تشکیل پاتا ہے، جس میں شریعت کا پوری طرح نفاذ کیا جاسکتا ہے۔ جدید معاشرہ ہمیں اس مقام پر لے آیا ہے کہ جہاں اگر کسی غریب آدمی کو اپنی بنیادی ضروریات پوری کرنے یا ذریعہ روزگار پیدا کرنے کے لئے قرض کی ضرورت پڑے تو اس کے پاس کوئی چارہ نہیں کہ وہ سود پر یہ قرض حاصل کرے۔ اس کے لئے اس قرض حسنہ کے ملنے کا امکان بہت کم ہے، جس کی قرآن بھرپور سفارش کرتا ہے۔ چوری کے لئے ''حد'' کی سزا کا اطلاق لازم کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ اس کے لئے قرضِ حسنہ کو آسانی سے دستیاب کیا جائے۔ غریب زکوۃ اور صدقۃ الفطر کا بھی حق دار ہے، جس کا مقصد غربت کا خاتمہ اور ضرورت مندوں کے معیار زندگی کو بہتر بنانا ہے۔ کیا ہم نے شریعت کے ان احکامات پر باقاعدہ اور درست عمل درآمد کو یقینی بنالیا ہے؟ اسی طرح جنسی بے راہ روی اور زنا کے لئے جو ترغیبات ہمارے معاشرے میں کثرت سے موجود ہیں، وہ اس اخلاقی نظم وضبط سے کوسوں دور ہیں، جس کو قائم کرنا ایک مسلمان معاشرے میں اسلام کا منشاء ہے۔ ان حالات میں چور کے ہاتھ کاٹنے یا زانی کو رجم کے ذریعے موت کی سزا دینے پر اصرار کرنا، انصاف کی فراہمی کے بجائے زیادتی کے امکان کو بڑھا دیتا ہے۔ اس وقت تک جب معاشرے کی تعمیر اسلام کے حقیقی اصولوں کے مطابق نہ کی جائے، جرائم کے خاتمے کے لئے ہمیں زیادہ وسیع البنیاد اقدامات کرنے ہوں گے، جن میں اگر سب نہیں تو کچھ حدود سزاؤں کا نفاذ بھی شامل ہے۔

زیر نظر کتاب چھ ابواب پر مشتمل ہے۔ پہلے باب میں حدود کے چھ مخصوص جرائم (سرقہ، حرابہ، زنا، قذف، شراب نوشی اور ارتداد) کے حوالے سے مذکورہ بل میں متعین کردہ شرعی سزاؤں کا تعارف کرایا گیا ہے۔ آئینی طور پر ملائشیا مختلف ریاستوں پر مشتمل ہے، جن کے وفاق سے ملک تشکیل پایا ہے۔ پاکستان سے مثال دی جائے تو ریاست صوبے کی طرح ہے۔ ریاستی اسمبلی کی طرف سے اس بل کے پاس کرنے پر پہلا اعتراض یہ کیا گیا کہ وفاقی آئین کے مطابق یہ قانون سازی ریاستی اسمبلی یا حکومت کے دائرہ اختیار سے باہر ہے، جب کہ کیلنٹان کے وزیر اعلیٰ نے یہ بیان دیا تھا کہ ''ریاستی حکومت اپنا اسلامی فرض پورا کر رہی ہے، جس میں ناکامی ایک بہت بڑا گناہ ہوگا''۔ اس سوال کے جواب میں کہ کیا ریاستی عوام حدود قوانین کے نفاذ کو قبول کر لیں گے، نائب وزیر اعلیٰ (عبدالحلیم) نے کہا کہ ''یہ سوال اس لئے پیدا نہیں ہوتا کہ جو مسلمان ان قوانین کو مسترد کرتے ہیں، انہیں مرتد تصور کیا جائے گا''۔ بل میں حدود کی سزاؤں کو حتمی اور غیر لچک دار قرار دیا گیا ہے: ''اس قانون کے تحت

نافذ کردہ حدود کی سزاؤں کو نہ تو معطل کیا جائے گا، نہ کسی اور سزا سے تبدیل کیا جائے گا اور نہ ہی کم، معاف یا تبدیل کیا جائے گا'' (شق ۴)

کتاب کے دوسرے باب میں حدود بل پر تنقیدی نظر ڈال کر تین طرح کے مسائل کی نشاندہی کی گئی ہے، پہلا مسئلہ آئینی طریقہ کار کا ہے اور مصنف کے خیال میں یہ بل وفاقی آئین سے متصادم ہے۔ دوسری طرح کے مسائل ملائی معاشرے اور ریاست کی حقیقتوں سے متعلق ہیں۔ ایک کثیر مذہبی معاشرہ ہونے کے تناظر میں سوال اٹھتا ہے کہ کیا ملک میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے لئے دو طرح کے قوانین نافذ کئے جائیں گے اور پھر حقیقت یہ ہے کہ ملائشیا کی تیرہ ریاستوں میں سے صرف ایک ریاست نے اپنے لئے ایک مختلف منصوبہ عمل بنا کر وفاقی حکومت کے لئے مشکلات پیدا کر دی ہیں۔ پھر ایک حقیقت یہ بھی ہے کہ اس بل نے کوئی معنی خیز متبادل بھی پیش نہیں کئے ہیں اور حدود کے فہم میں لفظی تعبیر بہت سے سوالوں کو جنم دے رہی ہے، بل میں نئے مسائل کے حوالے سے اجتہاد کے اصول پر عمل کرنے کی بھی کوئی کوشش نہیں کی گئی کہ کس طرح مثالی انصاف کا مقصد حاصل کیا جائے، جو ایک خوش کن اور منصفانہ سماجی پالیسی کے اختیار کرنے کی ضمانت دے۔

کیلنتان میں اس وقت کی حکمران اسلامی جماعت 'پاس' (PAS) کے منظور کردہ اس بل کے نفاذ کے لئے وفاقی آئین میں تبدیلی اور وفاقی حکومت کی منظوری کی ضرورت ہے، جو وفاقی حکومت کی طرف سے نہیں دی گئی اور ملائشیا کے نائب

وزیر اعظم نے کہا کہ ''متعدد معروف اسلامی ماہرین اس بل سے اتفاق نہیں کرتے، جو عجلت میں پاس کیا گیا ہے'' اس سے بھی واضح ردعمل وزیر اعظم ڈاکٹر مہاتیر محمد نے ستمبر ۱۹۹۴ء میں ان الفاظ میں دیا کہ ''حکومت پاس پارٹی کو کیلنتان کے لوگوں پر ظلم کی اجازت نہیں دے گی، جس میں مجرموں کے ہاتھ کاٹنا شامل ہو'' وزیر اعظم نے مزید کہا کہ ''پاس'' پارٹی نے حدود قوانین کی جو شکل پیش کی ہے، اس سے مظلوم کو سزا ملتی ہے اور اصل مجرم معمولی سزا کے بعد بچ نکلتا ہے، مثلاً اگر دو افراد، ایک مسلمان اور ایک غیر مسلم، ایک ہی طرح کے جرائم کریں، تو مسلمان مجرم کو ہاتھ کاٹنے جیسی سخت ترین سزا ملے گی اور غیر مسلم مجرم معمولی جرمانے یا قید کے بعد بچ نکلے گا۔ جس قانون میں مجرم بچ نکلیں اور مظلوم سزا بھگتیں، وہ اسلامی تعلیمات کے مطابق نہیں ہو سکتا اور ریاستی حکمران جماعت ''پاس'' محض اس کے ذریعے سیاسی مفادات حاصل کرنا چاہتی ہے۔ ڈاکٹر مہاتیر محمد نے مزید کہا کہ وفاق میں ان کی حکمران جماعت (UMNO) حدود قوانین کی مخالف نہیں، بلکہ سیاسی مقاصد کے لئے ''پاس پارٹی'' کے منظور کردہ بل کی مخالف ہے۔

دوسری طرف ملائشین بار کونسل کی ''شریعہ اور حدود لاز کمیٹی'' نے اس بل کو اسلامی قوانین کے مطابق قرار دیا تھا اور اس کے بعد چیئرمین (سلیمان عبداللہ) نے وفاقی آئین سے اس کی عدم مطابقت کو دور کرنے کے لئے آئین میں تبدیلی کی تجویز دی تھی۔ اس پر کیلنتان کے وزیر اعلیٰ نے کہا تھا کہ اگر UMNO وفاق میں اپنے طور پر حدود بل لے آئے، تو وہ اپنا پاس کردہ بل واپس لینے کے لئے تیار ہیں۔

غیر مسلموں پر اس بل کے نفاذ یا عدم نفاذ کا مسئلہ بھی خاصا پیچیدہ ہے۔ بل میں غیر مسلموں کو وفاقی پینل کوڈ یا حدود قوانین میں سے ایک کا انتخاب کرنے کی آزادی دی گئی ہے۔ یہ ایک امتیازی آزادی ہے، جو مسلمانوں کو حاصل نہیں۔ اس طرح اگر ایک جرم میں مسلم اور غیر مسلم دونوں ہی ملوث ہوں، تو ایک طرح کے مجرموں پر علیحدہ علیحدہ قوانین کا نفاذ منصفانہ نہیں ہوگا۔ مثلاً چوری یا زنا میں اگر ایک مسلم اور ایک غیر مسلم ہو یا کسی جرم کے گواہ غیر مسلم ہوں یا جرم کے شریک کار غیر مسلم ہوں۔

اس بل میں زنا اور زنا بالجبر (Rape) کے درمیان تفریق بھی واضح نہیں کی گئی۔ کسی غیر شادی شدہ عورت کے حمل ٹھہرنے یا بچے کی پیدائش کو زنا کا ثبوت گردانتے ہوئے اسے حدود کی سزا کا حق دار قرار دیا گیا ہے۔ اس میں زنا بالرضا اور زنا بالجبر کو مساوی قرار دینے کا امکان پایا جاتا ہے اور عورت کے زیادتی کا شکار ہونے کے دعوے کا بار ثبوت اسی پر ڈال دیا گیا ہے کہ یا تو وہ اپنے حق میں چار گواہ پیش کرے یا قذف اور زنا دونوں کی سزا بھگتنے کے لئے تیار ہو۔

اس بل کو زنا کے گواہوں کیلئے طے کردہ معیار کے حوالے سے بھی تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ اس بل کے مطابق ''ہر گواہ اچھے کردار کا حامل ایک عاقل بالغ مرد مسلمان ہوگا'' اس طرح نہ صرف زنا بلکہ دیگر جرائم میں بھی عورت کو گواہی کے لئے نااہل قرار دیا گیا ہے۔ دوسرا قابلِ تسلیم ثبوت صرف کسی کا اعترافِ گناہ ہے، جس سے صرف اعتراف کرنے والے پر حدود کی سزا کا اطلاق ہوگا۔ عام حالات میں گواہوں کے ذریعے زنا کا ثابت ہونا تقریباً ناممکن ہے، اسی طرح ملزم کیس کے دوران کسی بھی وقت حتیٰ کہ جب اسے سزا سنا دی جائے اپنے اعتراف کو واپس لے سکتا ہے۔ اسی طرح یہ واضح ہے کہ زیادتی کا شکار عورت، جس کے پاس صرف خواتین گواہ ہوں یا مرد اور خواتین دونوں گواہ ہوں، اپنے خلاف جرم کو ثابت نہیں کر سکتی۔

کوالالمپور میں حدود بل کے موضوع پر ایک سیمینار کے ایک شریک نے پاکستان میں ۱۹۷۹ء میں شریعہ آرڈیننس کے نفاذ کے بعد زیادتی کا شکار خواتین کی حالتِ زار کی طرف توجہ دلائی کہ وہاں ۶۰ سے ۷۰ فیصد خواتین حدود کے جرائم میں قید ہیں۔ ۱۹۹۱ء کے اعداد و شمار کے مطابق ۲۰۰۰ سے زیادہ خواتین اس قانون کے تحت جیلوں میں فیصلوں کی منتظر قید تھیں۔ اکثر پر ان کے رشتہ داروں کی طرف سے زنا کا الزام لگایا گیا تھا، جو ان کی زبردستی شادی کرانا چاہتے تھے، یا اس لئے کہ وہ اپنی پسند